مؤلف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم: ڈاکٹر ابصار احمد

# منشورِ اسلام (۱۵)

## فطری نظریۂ حیات (دینِ اسلام) کے مناسکِ عبادت اور مذہبی اداروں میں تبدیلی نہیں ہوتی!

وہ مناسکِ عبادت اور مذہبی ادارے جو کسی فطری نظریۂ حیات سے متعلق ہوتے ہیں، تبدیلی یا ردّوبدل کے عمل سے نہیں گزرتے۔ ارتقائی عمل کے لیے یہ ازبس ضروری ہے کہ وہ اپنی اصلی شکل ہی میں برقرار رہیں۔ جس طرح حیوانات کی ایک نوع بعض ایسے نسلی مادّی امتیازات رکھتی ہے جو اسے دوسری انواع سے ممتاز کرتے ہیں بعینہٖ اسی طرح ایک فطری نظریاتی اجتماعیّت (جو فطری یعنی نبوّت کی عطا کردہ تعلیمات کی پیروی کرتی ہے) کے بھی مخصوص اوصاف ہوتے ہیں جو اسے دوسری اجتماعیتوں اور گروہوں سے جدا کرتے ہیں۔ ان نظریاتی اوصاف کا تعلّق اُن عبادات کے طریقوں اور مذہبی معاملات سے ہے جو رسول اور اس کے فوراً بعد اس کے متّبعین اپناتے ہیں۔ جس طرح حیوانات کی کوئی نوع اپنے مخصوص کوائف کو کسی بنیادی نوعی تبدیلی کے بغیر تبدیل نہیں کرسکتی اسی طرح کوئی نظریاتی کمیونٹی کسی دوسری نظریاتی کمیونٹی میں تبدیل ہوئے بغیر اپنے بنیادی نظریاتی اوصاف میں ردّوبدل گوارا نہیں کرتی۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں جہاں تک نوعی فرق کا تعلق ہے کوئی نوع اپنے مخصوص جسمانی اوصاف اُسی وقت ترک کرتی ہے جب اس کا شعور ایک زقند لگا کر دوسرے نوعی اوصاف اپناتا ہے اور اس طرح بالکل نئی حیوانی نوع معرضِ وجود میں آتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ انسان کے صفحۂ ہستی پر ظہور کے بعد ارتقاء کا یہ طریقہ ختم ہوچکا۔ اب کائنات کے اختتام تک انسان اپنی موجودہ جسمانی وضع قطع اور اوصاف کے ساتھ موجود رہے گا اور کوئی عالی نوع اسے ختم نہ کرے گی۔ یہی معاملہ نظریاتی ارتقاء کی صورت میں بھی ہے۔ نظریاتی ارتقاء گزشتہ تمام نبیوں کی بعثت تک ہوتا رہا، لیکن پیغمبر آخر الزمان کی بعثت کے ذریعے دنیا میں

آخری نظریۂ حیات اور آخری نظریاتی کمیونٹی معرضِ وجود میں آ نئے۔ اور اب اِس نظریۂ حیات کے مخصوص مناسکِ عبادات اور مذہبی احکام رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ یہ بذاتِ خود انسان کے فکری ارتقاء میں کبھی بھی رکاوٹ کا باعث نہ ہوں گے بلکہ ہمیشہ انسان کی ترقی اور ذہنی و فکری بالیدگی کی ضمانت دیں گے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ان کا تعلّق کائنات کے تخلیقی ارادے یعنی مشیّتِ ایزدی سے ہے۔

## خود شعوری کی اعلیٰ معراج صرف خاتم الانبیاء کی اُمت کے لیے ہے!

چونکہ صرف خاتم الانبیاء کی تعلیمات ہی جامع ہیں اس لیے صرف وہ ہی پوری نوعِ انسانی کو ایک فکری وحدت میں سمو کر انہیں خود شعوری کے اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچا سکتی ہیں۔ حیوانی سطح پر ارتقائی عمل نے صرف ایک جہت اختیار کی تھی، یعنی حیات کے لیے جسمانی طور پر زیادہ موافق انواع کی صورت گری۔ انسان کے ظہور کے بعد اب اہمیت افکار کی ہے اور اس ضمن میں نبیِّ آخر الزماں کی تعلیمات رہتی دنیا تک ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

جیسا کہ قبل ازیں کہا جا چکا ہے ارتقاء کے عمل میں صرف تخلیق شدہ انواع کی مساعی ہی کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں کائنات میں پوشیدہ اُن قوتوں کی بھی اہمیّت ہے جو خالقِ کائنات نے اس میں رکھ دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام حیواناتی انواع کوشش کے باوجود انسانی شکل میں اپنا ارتقاء حاصل نہ کر سکیں۔ اسی کا مظہر انسانی سطح پر یوں ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے انسانی تمدّن جو پیغمبرِ آخر الزماں کی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوتے، اپنے طور پر اور اپنے تصوّر کے مطابق عبادت کے اطوار اور اخلاقی اعمال اپناتے ہیں، تاہم ربِّ کائنات اُن کی ان مساعی کو شرفِ قبول نہ بخشے گا اور اس وقت تک ان کے فکری ارتقاء کا سامان نہ ہو گا جب تک وہ اپنا دامن خاتم الانبیاء کی دعوت سے وابستہ کر کے اس کی کامل اطاعت نہیں کرتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی صرف وہی انسانی تمدّن فکری و تہذیبی ارتقاء حاصل کر سکے تھے جنہوں نے انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لا کر ان پر عمل کیا تھا۔ یہی تعلیمات جامعیت کے ساتھ انسانی ارتقاء اور نمو کی ضمانت دے سکتی تھیں۔

## دینِ فطرت تاقیامت اپنی اصلی حالت پر برقرار رہے گا۔

سطورِ بالا سے اس حقیقت کی وضاحت بتمام وکمال ہوجاتی ہے کہ دینِ فطرت یعنی اسلام کی بنیادی تعلیمات بعینہٖ انہی خطوط کے مطابق جاری رہیں گی جن پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں استوار کیا تھا چاہے کچھ لوگ اس میں تبدیلی یا کتر بیونت کی کتنی ہی کوششیں کریں۔ ان کی یہ مساعی ہر اعتبار سے بے سُود رہیں گی، چاہے وقتی طور پر ان کی موشگافیاں معدودے چند لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیں۔ اس کا سبب دینِ متین کی تعلیمات کا عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہونا ہے۔ کوئی بھی مذہب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اس کے معتقدین فکری بدعات اور تحریفات کے خلاف پوری قوت سے جمے رہتے ہیں۔ دین یہ گوارا کرلیتا ہے کہ اسے ترک کردیا جائے لیکن یہ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ اس میں انسانی افکار کو خلط ملط کردیا جائے۔ انسانی فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ دین جو اُس کے ذوقِ حسن کو کامل تسکین بخشتا ہے، ہر قسم کے ردّوبدل سے بالاتر رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہی افرادِ انسانی اپنے کمالِ ارتقا تک پہنچتے ہیں جو کسی دین کو قبول کرکے اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر حاوی کرتے ہیں۔ فطرتِ انسانی کا یہی خاصّہ ہے جو دینِ اسلام کو تاقیامِ قیامت باقی رکھے گا اور صرف اس کے عقائد اور تعلیمات میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پوری انسانیت کو ایک وحدت میں متحد کرسکیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ تمام انبیا۔ کی عمومی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر انفرادی و اجتماعی طور پر کامیابی حاصل کرسکتا ہے، تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو جنّت الحمقا میں رہ رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس طور پر کسی بھی نبی کی تعلیمات پر عمل نہ کرسکے گا۔ اس صورت میں فیصلہ کن عامل ہر شخص کا اپنا انتخاب اور اپنی رائے ہوگی، اور ہر شخص اپنی مرضی سے انبیا۔ کی تعلیمات میں چھان پھٹک کرسکے گا۔ اس حکمتِ عملی سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق مذہب کا ایک ایڈیشن تیار کرے اور اس طرح دنیا میں بے شمار متصادم و مخالف مذاہب معرضِ وجود میں آجائیں گے۔ یہ سوچ رکھنے والے افراد کبھی بھی ایک ہم خیال اور متّحد ملت کی شکل اختیار نہیں کرسکتے ——— وہ متّحد ملت جو صرف صحیح نصب العین (یعنی خدائے واحد اور خاتم الانبیاء) سے ربط و تعلق کی بنیاد پر قائم کی جاسکتی ہے۔

بالفاظِ دیگر وحدتِ ادیان کے حامی کبھی بھی اپنے فکر کی بنیاد پر "صحیح نصب العین" کو سیاسی طور پر حقیقت کا روپ نہیں دے سکتے۔ اور یہ چیز بجائے خود ان کی کج فکری کی دلیل ہے۔ ایسے لوگ کبھی بھی اپنے تراشیدہ مذہب کی بنیاد پر پوری انسانیت کو متحد کر کے ایک عالمی ریاست کی تشکیل نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں سیاسی اور نیم سیاسی مساعی بھی قطعاً مفید نہ ہوں گی اور نہ ہی وہ ان اہداف کا بدل بن سکیں گی جن کے لیے مذہب کو فی الواقع اپنایا جاتا ہے۔

اخلاقیات کے لیے خالقِ کائنات سے محبّت شرطِ لازم ہے اور اس محبّت کا عملی تقاضا یہ ہے کہ وقت کے نبی کا اتّباع کیا جائے۔ فطرتِ انسانی اور خود مختلف انبیاء کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ یہی ہے۔ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دیگر تمام اصول غیر مؤثر ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے وہ عالمی اخلاقی تحریک جس میں بلاشبہ تمام اقوام کے سرکردہ اور علمی افراد (مرد اور خواتین دونوں) حصّہ لے رہے ہیں اسی حقیقت سے محجوب ہیں۔ ان پر نبی کی تعلیمات پر ایمان لانے کی اہمیّت واضح نہیں ہے۔ چنانچہ یہ تحریک عالمی سطح پر اخلاق کے میدان میں ترقی و ترفّع یا اخلاقیات کے عالمی احیائے ثانی میں قطعاً ناکام رہے گی۔

سوال نمبر۵ : اگر یہ مان لیا جائے کہ سلسلۂ نبوّت بالآخر منقطع ہونا ہے، تو پھر ہم حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی آخری نبی کیوں تسلیم کریں ہے کیا حضرت عیسیٰؑ آخری نبی نہیں ہو سکتے ہے

جواب: کامل ترین اور ہر اعتبار سے تسلّی بخش نظریۂ حیات وہ ہے جو اسلام ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں جنہوں نے صحیح نصب العین پر مبنی ایک کامل نظریۂ حیات پوری دنیا کو عطا کیا۔ یہ نظریۂ حیات اس اعتبار سے جامع ترین ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں یعنی سیاست معیشت، اخلاق، قانون، سماج اور بین الاقوامی تعلقات سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ تمام برحق انبیاء کی تعلیمات صحیح نصب العین سے محبّت و تعلق پر استوار تھیں لیکن صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں دینی تعلیمات زندگی کے تمام گوشوں میں عملی صورت میں نمایاں ہو کر نظر آتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انسانی تمدّن میں عملی اور اخلاقی اعتبار سے ابھی اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی کہ کوئی نبی ہمیشہ کے لیے

اجتماعیاتِ انسانی کے لیے راہنما اصُول فراہم کر دیتا۔ چنانچہ خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام انبیا۔ کی تعلیمات اس اعتبار سے نامکمل تھیں اور ہمیں صرف آپؐ ہی کو سلسلۂ نبوّت کی آخری کڑی تسلیم کرنا ہوگا۔ آپؐ سے پہلے تمام انبیا مخصوص امتوں کی طرف اور متعین وقت کے لیے بھیجے گئے۔ ان میں کسی کی تعلیمات بھی پوری انسانیت کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نہ تھیں۔

## آنحضورؐ کا اُسوہ ـــــ کامل ترین نمونہ

نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مثالی زندگی بسر کی، بلکہ آپؐ نے مومنین صادقین کی اعلیٰ ترین تربیت کر کے کفر و الحاد کا پوری شدّت اور سرفروشی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسلامی ریاست کی نہ صرف داغ بیل ڈالی، بلکہ اس کی سربراہی اور انتظام و انصرام کی ذمّہ داریاں بھی ادا کیں، بیرونی دشمنوں اور خطرات سے اس کا دفاع کیا اور اس کے داخلی استحکام کے لیے تمام تدابیر اختیار کیں۔ اسلام کے اصُولوں پر مبنی معیشت، معاشرت اور قانون کو عملی شکل دی اور اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے خدوخال بھی واضح کیے۔ ہر نصب العینی تحریک کی طرح اسلام کے شیدائیوں نے بھی اس کے پھیلاؤ اور پوری دنیا میں اس کے نفوذ کے لیے انتھک مساعی کیں، اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں اس عمل کا آغاز فرما دیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی نبی نے اپنی عملی مثال سے دین کے تحفّظ اور عالمی استحکام و پھیلاؤ کے لیے اس طرح کی مثال پیش نہیں کی۔

کوئی بھی نظریۂ حیات اپنے آپ کو اسی طرح مشکلات اور موانع سے بچاتا ہے اور اپنا دفاع کرتا ہے جس طرح ایک نامیاتی جسم اپنے آپ کو حالات کی نامساعدت کے باوجود قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کوئی انتہائی اہم عضو معطّل ہو جائے یا گل سڑ جائے، تو اس صورت میں اگرچہ پورا جسم متأثر ہوتا ہے، لیکن اس سے کمتر صورت میں جسم تمام اہم اعضا۔ کی صحت کے ساتھ اپنے آپ کو برقرار رکھتا ہے چاہے کم وقعت کے اعضا میں کتنی ہی خرابی کیوں نہ ہو جائے۔ اعضائے رئیسہ کی کارکردگی مختلف خرابیوں کا تدارک کر کے پورے جسم کی صحت اور زندگی کے

احیاء وبقا کا انتظام کرتی ہے۔ بالکل ایسی ہی مثال اس نظریۂ حیات کی ہے جس میں زندگی کے اہم گوشوں کے بارے میں ہدایات نہیں ہوتیں۔ اس نظریۂ حیات کے ماننے والے جوں جوں حیاتِ انسانی کی پیچیدگیوں سے واقف ہوتے ہیں انہیں یہ احساس دامن گیر ہوجاتا ہے کہ ان کے نظریۂ حیات (یا مذہب) میں خامیاں ہیں اور وہ زندگی کے اہم شعبوں میں ان کی راہنمائی سے نہ صرف قاصر ہے بلکہ وہ ان کے فکری و تمدنی ارتقاء میں رکاوٹ بھی ہے۔ ایک ایسا نظریۂ حیات جو آغاز ہی سے اپنی تعلیمات میں نامکمل ہو ظاہر ہے کہ بعد والوں کی فکری مساعی سے بھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ وہ تمام مسائل کا تسلی بخش حل پیش کرسکے۔ اندریں صورت اس کے لیے یہ ناگزیر ہوجاتا ہے کہ مختلف افراد کی طرف سے پیش کردہ افکار کو اپنے اندر جذب کرکے خود حق اور ناحق کا عجیب وغریب ملغوبہ بن جائے۔ اور جب باطل اور حق کا اس طرح اٹل بے جوڑ امتزاج ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ حق اپنی افادیت پورے طور پر کھو کر باطل سے علیحدہ کچھ نہیں رہتا۔ حق اُس وقت تک ہی حق رہتا ہے جب تک باطل کی آمیزش سے بالکلیہ پاک رہے۔

## عیسائیت کی مثال

مذہبِ عیسائیت کی صورت بالکل وہ ہوئی جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہے۔ اس مذہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ سیاسیات کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ نہ اس کے اصولوں اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی سے ریاستی معاملات کے بارے میں کوئی ہدایات ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب جدید دور میں عیسائی ریاستیں معرضِ وجود میں آئیں تو انہیں کچھ علم نہ تھا کہ وہ مذہبی معتقدات اور ریاستی معاملات کو باہم دگر کس طرح مربوط کریں۔ مذہب اور مملکت کے مابین شروع شروع میں طویل اور سخت کشاکش جاری رہی تاآنکہ مذہبی علماء نے بامرِ مجبوری یہ فیصلہ کیا کہ مذہب اور ریاست دونوں الگ الگ ہیں اور ان میں کوئی ربط و تعلق نہیں۔ یہ بجائے خود ایک غلط نقطۂ نظر تھا جو عیسائیت کی محدود تعلیمات کی بنا پر غلط نصب العین کی خاطر اختیار کیا گیا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ عیسائیت کی بعض اقدار بالکل صحیح تھیں اور ان کا تعلق یقیناً انسانی زندگی میں بہتر ارتقائی عمل سے تھا لیکن ریاست و حکومت کے بارے میں تعلیمات نہ دے کر عیسائیت

نے ثابت کر دیا کہ وہ بعد میں ظہور پذیر ہونے والے انسانی تمدنوں کے لیے ناقابل عمل ہے جب ایک بار عیسائی علماء نے مذہب کو ریاست سے جدا کر دیا تو اس کا اثر رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ وہ بالآخر اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں یعنی اقتصادیات، معیشت، تعلیم، دفاع، قانون، بین الاقوامی تعلقات وغیرہ سے خارج کر دیا گیا۔ نتیجۃً مغرب میں عیسائی مذہب کا اثر انفرادی و اجتماعی زندگی پر بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔ اور مذہب کے تصورِ خدا کے بجائے لوگوں کے افکار اور مساعی کا محور نسلی یا علاقائی قوم پرستی بن گیا۔ مذہب کا تعلق صرف عبادت اور کلیسا سے رہ گیا اور عمل کی دنیا میں مؤثر قوتیں بالکل مادی اور دنیاوی قسم کی ہو گئیں۔ الغرض آج کی دنیا میں عیسائیت اپنے متبعین کی زندگیوں میں ایک مؤثر عامل کے طور پر قطعاً موجود نہیں ہے۔

لاریب حضرت عیسیٰؑ سچے نبی تھے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ صحیح نصب العین کے صرف ایک پہلو (اخلاقی و روحانی پہلو) کو انسانیت کے محض ایک چھوٹے سے حصے یعنی بنی اسرائیل کے لیے اجاگر کرنے آئے تھے۔ مزید برآں آپؑ کی تعلیمات ایک محدود عرصے کے لیے تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا تعلق اجتماعی زندگی کے سیاسی پہلوؤں سے متعلق تھا ہی نہیں اور نہ ہی آپؑ نے اپنے عمل سے اس طرح کی کوئی راہنمائی فراہم کی۔ مشیتِ ایزدی کے مطابق یہ تعلیمات ایک مناسب وقت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کی راہنمائی کے لیے دینا تھیں۔ چنانچہ انگریز پادری مارٹن ڈی۔ آر سی بالکل بجا طور پر اپنی تصنیف "کیمونزم اور عیسائیت" میں رقمطراز ہے:

"اس حقیقت کا اعادہ بار بار کیا جانا چاہیے کہ عیسائی مذہب کی تاسیس اس لیے نہیں ہوئی تھی کہ وہ کسی خاص قوم کو خوشحالی حاصل کرنے کے طریقے بتائے۔ یہ فکر دراصل یہودیوں کی غلطی تھی، اور جب لوگوں نے مسیح کو بادشاہ بنانا چاہا تو وہ ان سے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے"

ماضی قریب میں ایران میں رونما ہونے والا مذہب بہائیت ایسے ہی نامکمل مذہب کی ایک اور مثال ہے۔ چونکہ یہ بھی سیاست اور جنگ و امن کے قوانین سے بحث نہیں کرتا، اس لیے اپنی بنیاد پر کسی ایسے ریاستی اور اجتماعی نظام کو قائم نہیں کر سکتا جو دوسرے مذاہب سے کلیتہً آزاد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہائیت دنیا میں زیادہ عرصے تک چلنے والا مذہبی نظریۂ حیات نہیں ہے۔

بہائیت کا اصل الاصول دنیا میں امن کا قیام اور انسانوں کو متحد کرنا ہے لیکن اس مذہب کو پیش کرنے والے یہ بھول گئے کہ اکثر اوقات امن کے قیام کے لیے جنگ ضروری ہوتی ہے اور مستقبل میں انسانی اتحاد اس بات کا متقاضی ہوگا کہ وہ اپنے داخلی نظم کو قائم رکھنے کے لیے مخالف قوتوں سے سختی سے نبٹے۔ اور یہ کہ لوگوں کو جدید ریاستوں کے نظام میں رہنا ہوگا جس کے لیے انہیں ہدایاتِ قوانین کی ضرورت ہوگی۔ سیاسی جدّوجہد کی نفی اور مختلف نظاموں کے تحت منفعل انداز میں زندگی بسر کرتے ہوئے اگر وہ بہائی ریاست کے قیام کا خواب دیکھتے ہیں تو یہ سراسر ان کی خام خیالی ہے۔ اگر کسی نظریۂ حیات کے آغاز ہی میں زندگی کے کسی اہم شعبے سے متعلق ہدایات نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ بعد میں آنے والے معتقدین بھی اس کمی کی تلافی نہیں کر سکتے۔ وہ لامحالہ اس نظریۂ حیات کے بانی کی زندگی کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں اور اگر انہیں وہاں کوئی روشنی نہ ملے تو زندگی کا وہ گوشہ بنیادی مذہبی تعلیمات سے خالی رہتا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی مذہب زیادہ لمبے عرصے تک باقی نہیں رہ سکتا۔ مزید برآں بہائی مذہب کا یہ عقیدہ کہ سلسلۂ نبوّت جاری ہے اور ہر ہزار سال کے بعد ایک نیا روحانی لیڈر نئی مذہبی جماعت کی تاسیس کرے گا، ان کے اپنے دوسرے عقیدے سے متصادم ہے کہ بہائیت ہمیشہ کے لیے پوری انسانیت کو ایک وحدت میں پرو دے گی۔ بنیادی عقائد میں اس طرح کا تضاد قبول کرنا عقلی طور پر محال ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے تمام مذاہب اور نظریہ ہائے حیات بہت جلد صفحۂ ہستی سے مِٹ جاتے ہیں۔


**معزز قارئین کرام!**

اپنے زرِ تعاون کی میعاد جو کہ آپ کے نام/پتہ کے لیبل پر درج ہے ختم یا غلط درج ہونے پر براہِ کرم ہمیں جلد از جلد مطلع فرمادیں کہ آپ کے نام پرچہ بدستور جاری رکھا جائے؟ اس سے ہمیں یہ بھی اطمینان رہے گا کہ پرچہ آپ تک پہنچ رہا ہے اور آپ کا پتہ تبدیل نہیں ہوا ہے۔ اگر آپ زرِ تعاون بذریعہ وی۔پی۔پی ادا کرنا چاہیں تو اس کے لیے بروقت تحریر فرمائیں!

شکریہ، آپ کے تعاون کے متمنی

مینجر سرکولیشن